

ابو جہل کی بیٹی سے حضرت علیؑ کے پیغام نکاح کا معاملہ

سوال: اسلام میں جب چار شادیوں کی اجازت ہے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں جب حضرت علیؑ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو کیوں روک دیا؟ ابو جہل کی بیٹی کے خانوادہ اہل بیت میں آجائے سے اگر کوئی خطرہ تھا تو کیا حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان کے حرم رسالت میں داخل ہونے سے وہی خطرہ نہ تھا؟

جواب :- اس واقعہ کو امام زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ عنہ اور ابو طلحہ نے حضرت مسور بن مخزوم سے روایت کیا ہے، اور اس کی تائید حضرت عبداللہ بن زبیر کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے۔ نیز ابو حنظلہ اور مسوید بن عثقلہ کی مثل روایات بھی اس کی مؤید ہیں۔ امام بخاری نے کتاب فرض الخمس کتاب فضائل اصحاب النبیؐ اور کتاب النکاح میں، مسلم نے کتاب فضائل اصحابہ میں، ابو داؤد نے کتاب النکاح میں، ابن ماجہ نے بھی کتاب النکاح میں، ترمذی نے کتاب المناقب میں اور حاکم نے کتاب معرکہ اصحابہ میں متعدد سندوں سے ان روایات کو نقل کیا ہے۔

تفصیل اس قصے کی یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد جب ابو جہل کا خاندان مسلمان ہو گیا تو حضرت علیؑ نے اس کی بیٹی سے (جس کا نام کسی نے تحریر یہ کسی نے عمراء اور کسی نے حمیدہ بیان کیا ہے) نکاح کرنا چاہا۔ لڑکی کے خاندان والوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی پر بیٹی نہ دیں گے جب تک آپ سے پوچھ نہ لیں۔ چنانچہ انہوں نے اس کا ذکر حضورؐ سے کیا۔ ایک روایت کی رو سے خود حضرت علیؑ نے بھی اشارۃً کنانیہً حضورؐ سے اجازت طلب کی۔ امد بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بھی ان باتوں کا چرچا سن لیا اور جا کر اپنے والد ماجد کی خدمت میں عرض کیا کہ ”آپ کی قوم کے لوگ سمجھتے ہیں کہ آپ کو اپنی بیٹیوں کی پرہیزگاری ہے، دیکھیے، یہ علی اب ابو جہل کی بیٹی سے شادی کرنے والے ہیں۔“ اس پر حضورؐ نے ایک خطبہ میں فرمایا:

ان بنی ہشام بن المعینہ استاذ فونی بنی ہشام بن مغیرہ نے مجھ سے اس بات کی اجازت

ان ینکحوا ینتہم علی بن ابی طالب فلا اذن
ثم لا اذن ثم لا اذن الا ان یرید ابن ابی
طالب ان یطلق ابنتی و یشک ینتہم فاما
ہی بغضتہ منی یریبنی ما اس ابہا و یوزینی
ما آذاہا۔

مانگی ہے کہ وہ اپنی بیٹی علی بن ابی طالب کے نکاح میں
دیں۔ میں اس کی اجازت نہیں دیتا، نہیں دیتا۔ نہیں دیتا۔
الایہ کہ ابو طالب کا بیٹا میری لڑکی کو طلاق دے کر
ان کی لڑکی سے نکاح کرے۔ میری لڑکی میرا لکڑا ہے جو
کچھ اسے ناگوار ہو گا وہ مجھے ناگوار ہو گا، اور جو چیز اسے
تکلیف دے گی وہ مجھے تکلیف دے گی۔

وانی لست احرم حلالا ولا احل
حراما و لکن واللہ لا تجتمع بنت رسول اللہ
و بنت عدو اللہ ابداً۔

میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہیں کرتا۔ مگر خدا کی قسم
اللہ کے رسول کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی ایک
جگہ جمع نہیں ہو سکتی۔

روفی روایۃ) ان فاطمۃ منی وانا
اتخوف ان تفتن فی دینہا

(ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا) فاطمہ مجھ سے
ہے اور میں ڈرتا ہوں کہ وہ کہیں اپنے دین کے معاملہ
میں فتنے میں نہ پڑ جائے۔

اس واقعہ پر آدمی کو یہ شبہ لاحق ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی بہت سی
شادیاں کیں اور عام لوگوں کو بھی چار نکاح بیویاں بیک وقت رکھنے کی اجازت دی، مگر خود اپنی بیٹی پر ایک
سوکن کا آنا بھی آپ نے گوارا نہ کیا۔ سوکن کے آنے سے جوازیت آپ کی بیٹی کو، اور بیٹی کی خاطر خود آپ
کو ہو سکتی تھی، وہی اذیت دوسری عورتوں امدان کے ماں باپ کو بھی تو لاحق ہوتی ہے پھر کیا وجہ ہے
کہ آپ نے اپنے حق میں تو اسے برداشت نہ کیا اور دوسروں کے حق میں اسے جائز رکھا۔

بظاہر یہ ایک سخت اعتراض ہے اور معاملے کی ساوہ صورت دیکھ کر آدمی بڑی الجھن میں پڑ جاتا
ہے لیکن تھوڑا سا غور کیا جائے تو اس کی حقیقت سمجھ میں آ جاتی ہے۔ یہ بات ناقابل انکار ہے کہ
ایک عورت کا شوہر اگر دوسری بیوی لے آئے تو اس عورت کو فطرتاً یہ ناگوار ہوتا ہے اور اس کے
ماں باپ، بھائی بہن اور دوسرے رشتہ داروں کو بھی اس سے اذیت ہوتی ہے۔ شریعت نے

ایک سے زیادہ نکاحوں کی اجازت اس مفروضے پر نہیں دی ہے کہ یہ چیز اس عورت کو اور اس کے رشتہ داروں کو ناگوار نہیں ہوتی جس پر سوکن آئے۔ بلکہ اس امر واقعہ کو جانتے ہوئے شریعت نے اسے اس لیے حلال کیا ہے کہ دوسری اہم تر اجتماعی اور معاشرتی مصلحتیں اس کو جائز کرنے کی متقاضی ہیں۔ شریعت یہ بھی جانتی ہے کہ سوکنیں بہر حال سہیلیاں اور شوہر شریک بہنیں بن کر نہیں رہ سکیں۔ ان کے درمیان کچھ نہ کچھ کشمکش اور حقیقتاً ضرر ہوگی اور خانگی زندگی تلخیوں سے محفوظ نہ رہ سکے گی۔ لیکن یہ انفرادی قباحتیں اس عظیم تر اجتماعی قباحت سے کم تر ہیں جو یک زوجی کو بطور قانون لازم کرنے سے پورے معاشرے میں پیدا ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے شریعت نے تعدد ازواج کو حلال قرار دیا ہے۔

اب دیکھیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملے میں کیا پیچیدگی واقع ہوتی ہے۔ شرعاً آپ کی بیٹی پر بھی سوکن لانا آپ کے واناہ کے لئے حلال تھا۔ اسی وجہ سے حضرت عائشہؓ نے ایسا کرنے کا ارادہ کیا۔ اور اسی وجہ سے حضور نے بھی یہ نہیں فرمایا کہ ان کے لیے یہ فعل حرام ہے۔ بلکہ آپ نے خود تصریح فرمائی کہ میں حلال کو حرام نہیں کرتا۔ لیکن یہاں حضور کی ایک ہی شخصیت میں دو مختلف حیثیتیں جمع تھیں۔ ایک حیثیت میں آپ انسان تھے اور فطرتاً یہ ممکن نہ تھا کہ آپ کی صاحبزادی کے گھر میں سوکن آنے سے جو تلخی پیدا ہو اس کا تھوڑا یا بہت اثر آپ کی طبیعت پر نہ پڑے۔ دوسری حیثیت میں آپ اللہ کے رسول تھے اور رسول کی حیثیت سے آپ کا مقام یہ تھا کہ آپ کے ساتھ اگر کسی شخص کے تعلقات خراب ہو جائیں اور کوئی شخص آپ کے لیے موجب اذیت ہو جائے تو اس کے دین و ایمان کی بھی خیر نہ تھی۔ اسی وجہ سے حضور نے حضرت علیؓ کو بھی اور بنی ہشام بن مغیرہ کو بھی اس کام سے روک دیا۔ کیونکہ اگرچہ شرعاً یہ حلال تھا۔ مگر اس کے کرنے سے یہ اندیشہ تھا کہ یہ چیز حضرت علیؓ اور ان کی دوسری بیوی اور اس کے خاندان والوں کے ایمان اور ان کی عاقبت کو خطرے میں ڈال دیگی۔

ایک اور بات جس کا حضور نے اپنے خطبے میں ذکر فرمایا وہ یہ تھی کہ بنی ہشام بن مغیرہ اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدترین دشمن رہ چکے تھے اور فتح مکہ کے بعد تازہ تازہ مسلمان ہوئے تھے خود اس طرحی کے باپ ابو جہل کے متعلق تو سب کو معلوم ہے کہ حضور کی دشمنی میں وہ تمام کفار سے

بازی لے گیا تھا۔ یہ بھی واقعہ ہے کہ جنگ بدر میں وہ مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا اور اس کا خاندان برسوں اس کے جذبہ انتقام میں تڑپتا رہا۔ اب اگرچہ یہ لوگ اسلام قبول کر چکے تھے، لیکن یہ تحقیق ہونا ابھی باقی تھا کہ یہ قبول اسلام واقعی پورے اخلاص اور خوب کی مکمل تبدیلی کا ثمرہ ہے یا محض شکست کا نتیجہ۔ اس حالت میں اس خاندان کی لڑکی، اور وہ بھی خاص ابو جہل کی بیٹی کا اُس گھر میں سو کن بن کر پہنچ جانا، جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی ملکہ بیت تھیں، بڑے فتنوں کا سبب بن سکتا تھا۔ ان لوگوں کی تالیف قلب تو کی جاسکتی تھی اور کی بھی گئی، لیکن اسلام کے ساتھ ان کے تعلق کا حال جب تک ٹھیک ٹھیک معلوم نہ ہو جائے، انہیں عین خاندان رسالت میں گھسلا لانا اور خود رسول اکرم کی صاحبزادی کے بالمقابل لاکھڑا کرنا سخت نامناسب اور پرخطر تھا۔ اس وجہ سے بھی حضور نے اس مسئلے کو ناپسند فرمایا اور علی الاعلان کہا کہ خدا کے رسول کی بیٹی اور خدا کے دشمن کی بیٹی ایک گھر میں جمع نہیں ہو سکتی۔ نیز اس بات کی طرف بھی آپ نے اشارہ فرما دیا کہ اس سے فاطمہ کے فتنے میں پڑنے کا اندیشہ ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک فرد کو اپنے بیاہ شادی کے معاملے میں اگرچہ وہ بجائے خود حلال ہی سہی ایسی آزادی نہیں دی جاسکتی جس سے ایک پوری ملت کے لینے فتنہ و شر کا خطرہ پیدا ہو جائے۔

بے شک یہاں یہ اعتراف اٹھ سکتا ہے کہ ابو جہل کے خاندان سے ابوسفیان کا خاندان اسلام کی عداوت میں کچھ کم نہ تھا، پھر اگر ابو جہل کے خاندان کی لڑکی کا خاندان رسالت میں ظلم و جبر فتنہ ہو سکتا تھا تو ابوسفیان کی صاحبزادی (حضرت ام حبیبہ) کا خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں شامل ہو جانا کیوں خطرے سے خالی تھا؟ لیکن دونوں کے حالات کا فرق نگاہ میں ہو تو یہ اعتراف آپ سے آپ ختم ہو جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ابو جہل کی لڑکی اور ام المومنین حضرت ام حبیبہ کا سرے سے کوئی مقابلہ ہی نہیں ہے۔ ابو جہل کی لڑکی اور اس کے چچا اور بھائی، سب کے سب فتح مکہ کے بعد ایمان لائے تھے۔ ان کے بارے میں یہ امتحان ہونا ابھی باقی تھا کہ ان کا ایمان کس حد تک اخلاص پر مبنی ہے اور کہاں تک اس میں شکست خوردگی کا اثر ہے۔ بخلاف اس کے حضرت ام حبیبہ اُس بڑے سے بڑے امتحان سے گزر کر، جو اکابر صحابہ میں سے بھی کم ہی کسی کو پیش آیا تھا، اپنے کمال

اخلاص اور اپنی صداقت ایمانی کا پورا ثبوت دے چکی تھیں۔ انہوں نے دین کی خاطر وہ قربانیاں کی تھیں جن کی فطرت منکر ہی سے کہیں اور نظر آ سکتی ہے۔ ذرا غور کیجیے۔ ابوسفیان کی بیٹی، ہند بنت عکبہ (مشہور ہند جگر خوار) کی محنت جگر، جس کی پھوپھی وہ عورت تھی جسے قرآن میں حالتہ الحطب کا خطاب دیا گیا ہے، جس کا نانا عتبہ بن ربیعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بدترین دشمن تھا۔ اس خاندان سے اور اس ماحول سے نکل کر وہ حضرت عمرؓ اور حضرت حمزہؓ سے بھی پہلے ایمان لاتی ہیں، اپنے شوہر کو مسلمان کرتی ہیں، خاندان والوں کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر مہاجرین حبشہ کے ساتھ ہجرت کر جاتی ہیں، حبش جاکر شوہر عیسائی ہو جاتا ہے اور وہ دین کی خاطر اس کو بھی چھوڑ دیتی ہیں، غریب الوطنی کی حالت میں تنہا ایک گھوٹی سی بچی کے ساتھ رہ جاتی ہیں اور ان کے غم ایمانی میں ذرہ برابر نزول نہیں آتا۔ کئی برس اس حالت میں جب گزر جاتے ہیں اور ایک بے سہارا خاتون دیا رغیر میں ہر طرح کے مصائب جھیلی کر یہ ثابت کر دیتی ہے کہ دین کو جس پائے کا خلوص، جس مرتبے کی سیرت اور جس درجے کا کردار مطلوب ہے وہ سب یہاں موجود ہے، نب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ انتخاب ان پر پڑتی ہے اور آپ حبش ہی میں ان کو نکاح کا پیغام بھیجتے ہیں۔ غزوہ تبوک کے بعد وہ حبش سے واپس آ کر حرم نبوی میں داخل ہوتی ہیں۔ اس کے تھوڑی ہی مدت بعد قریشی صلح حدیبیہ کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوتے ہیں اور ان کو اندیشہ ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اب مکے پر چڑھائی کر دیں گے۔ اس موقع پر ابوسفیان صلح کی بات حیثیت کے لیے مدینے آتا ہے اور اس امید پر بیٹی کے پاں پہنچتا ہے کہ اس کے ذریعہ صلح کی شرائط طے کرنے میں سہولت ہوگی۔ برسوں کی جدائی کے بعد پہل مرتبہ باپ سے بیٹی کو ملنے کا موقع ملتا ہے۔ مگر جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرش پر بیٹھنے کا ارادہ کرتی ہے تو بیٹی فوراً یہ کہہ کر فرش اٹھا لیتی ہے کہ رسول کے فرش پر ایک دشمن اسلام نہیں بیٹھ سکتا۔ ایسی خاتون کا خاندان رسالت میں داخل ہونا تو ہیرے کا ہار میں ٹھیک اپنی جگہ پا لیتا تھا۔ اس سے کسی فتنے کے رونما ہونے کا کوئی بعید ترین امکان کیا، وہم بھی نہ ہو سکتا تھا۔ البتہ اُس لڑکی کا اس خاندان میں آنا ضرور فتنے کے امکانات اپنے اندر رکھتا تھا جسے اور جس کے خاندان کو صرف فتح نے اسلام میں داخل کیا تھا اور اسلام میں